درس حدیث

جناب پروفیسر مقبول احمد قاسمی

اذان واقامت کے الفاظ اور معانی

اذان و اقامت کے الفاظ کے بارہ میں قبل ازیں یہ بتایا جا چکا ہے کہ افضل ترین اذان و اقامت کی صورت وہی ہے جو حضرت بلال رضؓ سے مروی ہے ۔ علماء اسلام کی غالب ترین اکثریت نے حضرت بلال رضؓ کی اذان و اقامت ہی کو پسند کیا ہے اور عالم اسلام کے اہم مراکز میں اسی اذان و اقامت پر عمل کیا جاتا رہا ہے ۔ جیسا کہ حافظ ابن قیم رحؒ نے تہذیب میں فرمایا ہے کہ :-

ھو مذھب اکثر علماء الامصار وجری بہ العمل فی الحرمین والحجاز وبلاد الشام ویمن و دیارِ مصر و نواحی المغرب الی اقصٰی حجر من بلاد الاسلام ۔ وھو قول الحسن البصری ، ومکحول ، والزھری ، ومالک ، والاوزاعی ، والشافعی واحمد بن حنبل واسحاق بن راھویہ وغیرھم وکذالک حکاہ سعد القرظ فکان یفرد الاقامۃ ولم یزل ولد ابی محذورۃ وھم الذین یلون الاذان بمکۃ یفردون الاقامۃ ویحکونہ عن جدھم

ترجمہ :- دنیا کے اکثر علماء کا یہی مذہب ہے حرمین (مکہ اور مدینہ) حجاز بلاد شام، یمن دیارِ مصر اور مغرب کے نواحی سے بلادِ اسلام کی آخری سرحد تک اسی اذان و اقامت پر عمل کیا جاتا ہے حضرت حسن بصریؒ، مکحولؒ، زہریؒ، امام مالکؒ، اوزاعیؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اسحاقؒ بن راہویہ اور ان کے سوا دوسرے علماء کا یہی قول ہے ۔ سعد قرظیؓ نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ وہ اقامت اکاری کہا کرتے تھے ۔ ابو محذورہؓ کی اولاد جو کہ مکہ میں آذان دیا کرتے تھے انہوں نے بھی اپنے دادا (ابو محذورہؓ) سے یہ بات بیان کی ہے اور وہ خود بھی اقامت اکاری کہا کرتے تھے ۔"

علامہ ابن قیمؒ نے حضرت سعد قرظیؓ کا نام لیا ہے ۔ یہ صحابی پہلے قباء میں موذن تھے ۔ بعد ازاں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ ملک شام چلے گئے تو حضرت سعدؓ ہی ان کی جگہ مسجد نبویؐ میں موذن مقرر ہوئے ۔ خطابی معالم السنن میں فرماتے ہیں :-

ان بلالاً لحق بالشام بعد موت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف سعد القرظ

علی الاذان فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ :۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد (حضرت) سعد قرظیؓ اس وقت مسجد نبویؐ میں مؤذن مقرر ہوئے جب بلالؓ ملک شام چلے گئے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد نبویؐ کے علاوہ دیگر مساجد میں بھی وہی اذان و اقامت دی جاتی تھی۔ جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے۔ اس سے قبل یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اس کے تھوڑا عرصہ بعد ہی اذان مشروع ہوئی۔ اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہؓ کو دوہری اذان و اقامت کی تعلیم دی اس سے بعض ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ چونکہ ابو محذورہؓ کی اذان و اقامت والی بات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بعد کی ہے لہٰذا ابو محذورہؓ کی حدیث پر ہی عمل کرتے ہوئے دوہری اقامت کہنا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے ابو محذورہؓ کی روایت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت کی ناسخ ہو اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان و اقامت منسوخ ہو چکی ہو۔ اس قسم کا ایک شبہ کسی شخص نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ چونکہ ابو محذورہؓ کی اذان کا واقعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بعد کا ہے لہٰذا اس پر کیوں نہ عمل کیا جائے اس پر امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے کہ ابو محذورہؓ کی روایت فتح مکہ کے بعد کی ہے۔ لیکن کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ آئے تو اس وقت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان و اقامت نہ کہی؟ اگر کہی ہے اور یقیناً کہی ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل تو وہی ہوا جس پر حضرت بلالؓ نے اذان و اقامت کہی۔ معالم السنن میں ہے۔

قیل لاحمد وکان یاخذ فی ھذا باذان بلال الیس اذان ابی محذورۃؓ بعد اذان بلالؓ فانما یوخذ بالاحدث فالاحدث من امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الیس لما عاد الی المدینۃ اقر بلالا علی اذانہ۔

ترجمہ :۔ (امام) احمد بن حنبلؒ بلالؓ کی اذان کے قائل تھے لہٰذا ان سے پوچھا گیا کہ کیا ابو محذورہؓ کی اذان بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد نہیں؟ اور حضورؐ کے آخری عمل پر ہی عمل کرنا چاہیے۔ اس پر آپؒ نے فرمایا کیا یہ درست بات نہیں کہ جب آپ واپس (فتح مکہ سے) مدینہ آئے تو حضرت بلالؓ ہی کو مؤذن برقرار رکھا۔

اذان و اقامت کا معنی و مطلب :۔ اذان و اقامت اسلامی عقائد، عبادات اور شعائر کا اہم ترین

مظہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اذان کو کسی آبادی کے لیے مسلم و غیر مسلم قرار دینے کا معیار قرار دیا گیا ہے احادیث میں مذکور ہے کہ جہاد کے سفر کے دوران جب کسی آبادی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کی آواز سنائی دیتی تو آپ اس سے گزر جاتے اور اگر اذان کی آواز نہ سنائی دیتی تو اس پر حملہ آور ہو جاتے۔

تین مقامات کے علاوہ اذان و اقامت کے الفاظ اگرچہ یکساں ہیں تاہم مقاصد کے اعتبار سے دونوں میں بہت فرق ہے اذان کا مقصد مسجد اور مسجد سے باہر کے لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ متعلقہ نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ جبکہ اقامت کی غرض وغایت محض مسجد میں حاضر نمازی حضرات کو یہ بتانا ہے کہ نماز کا آغاز ہونے والا ہے یہی وجہ ہے کہ اذان کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر کہی جاتی ہے جبکہ اقامت اس کی بہ نسبت آہستہ اور پست آواز میں کہی جاتی ہے۔ اقامت کے آغاز میں تکبیر کو دو مرتبہ اس لیے رکھا گیا کیونکہ عموماً اوّل وقت میں غفلت ہوتی ہے اور قدقامت الصلاۃ کو بھی اس لیے دہرایا گیا کہ مسجد میں موجود نمازی حضرات کو نماز کے قیام کی طرف پوری طرح متوجہ کر دیا جائے۔

اجمالی طور پر دیکھا جائے تو اذان و اقامت میں اختصار کے ساتھ تمام اہم اسلامی عقائد و عبادات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ ان میں وجود باری تعالیٰ، وحدانیت باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور صفات تنزیہیہ اقرار رسالت اور آخرت کا تصور بدرجہ کمال موجود ہے اسلام کی اساس و بنیاد شہادتین پر ہے اور یہ دونوں چیزیں اذان و اقامت میں موجود ہیں۔ قاضی عیاضؒ اذان میں موجود ان ہی مطالب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الاذان کلمۃ جامعۃ لعقیدۃ الایمان مشتملۃ علی نوعیہ من العقلیات والنقلیات واثبات الذات ومایستحقہ من الکمال ای الصفات الوجودیہ ومن التنزیہ ای الصفات العدمیۃ وکلمۃ اکبر مع اختصارھا دالۃ علی ماذکرنا۔

ترجمہ:۔ آذان ایک ایسا جامع کلمہ ہے جس میں تمام عقائد موجود ہیں۔ اس میں سمی اور عقلی دونوں طریقوں سے اثبات ذات موجود ہے اس میں وجود باری تعالیٰ کا اثبات ہے۔ اور اس کی صفات وجودیہ اور عدمیہ دونوں کا ذکر موجود ہے۔ اللہ اکبر کا لفظ مختصر ہونے کے باوجود ان تمام معانی پر دلالت کرتا ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

قاضی عیاضؒ نے صرف اذان کا ذکر کیا ہے۔" لیکن یہ تمام معانی اذان کے علاوہ اقامت میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ کیونکہ اس کا آغاز بھی لفظ اللہ اکبر سے ہوتا ہے اور اس میں بھی آذان کی طرح شہادتین موجود ہیں۔ بلکہ عبادات کے معاملہ میں اقامت اذان کی بہ نسبت زیادہ واضح الفاظ پر مشتمل ہے

اذان میں نماز کا لفظ موجود نہیں بلکہ صرف اشارہ پایا جاتا ہے جب کہ اقامت میں صاف طور پر نماز کا ذکر موجود ہے

اب ہم آذان و اقامت کے الفاظ کا تفصیلی معنی بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ اکبر : اللہ سب سے بڑا ہے۔

یہ کلمہ تین مطالب پر مشتمل ہے۔

(۱) اثبات باری تعالیٰ - (۲) توحید باری تعالیٰ - (۳) یہ کہ وہ صفات کمال سے متصف اور صفات سلبیہ سے منزہ ہے۔

اثبات باری تعالےٰ ذات باری تعالےٰ کا اثبات نقلی اور عقلی ہر دو طریقہ سے ثابت و معلوم ہے تمام سابقہ اسمانی کتب، تمام انبیاء و رسل نے اس کے وجود کی خبر دی ہے قرآن و سنت میں بھی بے شمار آیات و احادیث اس کے وجود پر دلالت کرتی ہے ان نقلی دلائل کی موجودگی میں اگرچہ عقلی دلائل کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ نقل عقل پر حاوی ہے اور نقل کی موجودگی میں عقلی دلائل کی زیادہ ضرورت نہیں رہ جاتی بلکہ علماء اسلام میں سے جن حضرات نے نقلی دلائل کو نظرانداز کر کے محض عقلی دلائل سے وجودِ باری تعالیٰ کے اثبات کی کوشش کی ہے۔ ان کے اس فعل کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھا گیا جب جھمیہ نے نقلی دلائل کو پسِ پشت ڈال کر محض عقلی دلائل کی بنیاد پر توحید پر گفتگو کی تو مشہور امام مقاتل بن حیان نے کوشش کی کہ جھمیہ کا رد نقلی براہین کی بجائے عقلیات سے کیا جائے تو امام مقاتل کے اس فعل کو ناپسند کیا گیا۔ حافظ ابن قیمؒ صواعق میں فرماتے ہیں۔

وقد انکر السلف علی مقاتل ردہٗ علی جھم بادلۃ العقل۔

ترجمہ: عقلی دلائل سے جھمیہ کا رد کرنے پر ائمہ سلف نے امام مقاتل کے فعل کو پسند نہیں کیا۔

ہمارے دینی مدارس میں عقائد پر پڑھائی جانے والی مشہور کتاب عقائدِ نسفی (جو ایک حنفی عالم کی تحریر کردہ ہے) میں حدوثِ عالم اور اثباتِ صانع پر عقلی دلائل بہت دیئے گئے ہیں بلکہ ان ہی دلائل کو اساس بنایا گیا ہے نواب صدیق حسنؒ لبغیۃ الرائد میں اس طرزِ فکر پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

واایں دلیل کہ در متن مذکور شد دل فقیر در قلق است زیرا کہ برائے اثبات حدوث عالم ادلہ کتاب خالق عالم و سنت اعلم عالم چہ کم است کہ دست بداماں عقل زدہ آید باوجود براہین سمعیہ در اثبات عقائد اسلامیہ بخس و خاشاک عقل اوبخس کلام عقل است۔

ترجمہ: متن میں جو دلیل بیان کی گئی ہے اس سے فقیر کے دل میں سخت قلق ہوا ہے کیونکہ حدوث عالم کے اثبات کے لیے خالق جہاں کی کتاب اور تمام عالم سے زیادہ علم رکھنے والے کی

سنت سے کیا دلائل کم ہیں۔ ان نقلی اور سمعی دلائل کی موجودگی میں اپنا دامن عقل کے خس وخاشاک کے حوالے کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔

و قریب پانچ صد آیہ کریم بر اثبات صانع عالم و مبدا گیتی دلالت دارد و ادلہ کتاب وسنت مغنی است از ایراد براہین کلامیہ و مقالات فلسفیہ کہ الصباح یغنی عن المصباح۔

ترجمہ:۔ اس جہان کے آغاز اور اس کے بنانے والے پر تقریباً قرآن حکیم کی پانچ سو آیات دلالت کرتی ہیں اور کتاب وسنت کے دلائل کی موجودگی میں منطقی و فلسفی دلائل بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ دن کی روشنی میں چراغ کی ضرورت نہیں ہوتی

نواب صدیق حسنؒ صاحب کی اس سخت تنقید کی وجہ یہ ہے کہ عقائد و ایمانیات ایسی چیز نہیں کہ انہیں عقل کے حوالہ کر دیا جائے کیونکہ عقل میں غلطی اور صحت دونوں کا احتمال ہے اور عقائد میں غلطی کا معنی کفر ہے مثلاً اسی شرح عقائد میں علامہ تفتازانی نے ایک ایسی غلطی کی (جو کہ ان کی محض عقلیت پرستی کی وجہ سے سرزد ہوئی۔ جس کی توقع ان سے نہیں کی جاسکتی تھی۔ انہوں نے ایت مبارکہ لوکان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا کے متعلق لکھا کہ اللہ تعالے کی یکتائی پر یہ آیت اقناعی یعنی ظنی دلیل ہے جس سے یقین حاصل نہیں ہوسکتا۔ تفتازانی کی اس غلطی پر گرفت کرتے ہوئے نواب صاحب فرماتے ہیں۔

ایں حرفے است کہ ازاں مو بر تن مسلمان بخیزد اسلام و ایں حرف یعنی چہ بلکہ ایں ایت حجۃ قطعیہ است و تقریرے کہ در رفع حجیت آں کردہ مبنی بر شفا حرف ہار است۔

ترجمہ:۔ یہ ایسی (گھاڈتی) بات ہے جس کو سن کر ایک مسلمان کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں دعویٰ اسلام کا اور بات ایسی! بلکہ یہ آیت قطعی دلیل ہے اور اس (تفتازانی) نے اس آیت کے حجت ہونے کے خلاف جو تقریر کی ہے وہ آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہونے والی بات ہے۔

بات ذرا طویل ہوگئی ہے۔ مقصد صرف یہ بیان کرنا تھا کہ وجود باری تعالیٰ پر نقلی اور عقلی دونوں دلائل موجود ہیں مگر اساس اور بنیاد نقلی دلائل ہی ہیں۔ اور عقلی دلائل محض نقلی دلائل کے موید ہیں مگر بنیاد نہیں ہیں۔ باری تعالیٰ کا یہ وجود خارجی ہے معنوی یا خیالی نہیں جیسا کہ بعض فلاسفہ و منطقیین نے سمجھ رکھا ہے۔ اس کا وجود مخلوق سے جدا اور بائن ہے۔ نہ وہ عین عالم ہے اور نہ داخل عالم وہ عرش پر مستوی ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے

اسم اللہ اس کے اسماء ذاتیہ میں سے ہے۔ یہ اور اسی طرح دوسرے اسماء حسنیٰ نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات، عین ذات اس لیے نہیں کہ ان کی اضافت ذات حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے

اور اس لیے بھی کہ اسماء متحد نہیں بلکہ مختلف المعنی ہیں۔ سمیع کا معنی بصیر اور حیی کا معنی قدیر نہیں۔ علیم کا معنی متکلم اور متکلم کا معنی علیم نہیں۔ اور غیر ذات اس لیے نہیں کہ اسماء باری تعالیٰ قدیمی اور ازلی ہیں۔ مخلوق اور حادث نہیں۔ اسماء کی تسبیح و تقدیس کا حکم دیا گیا ہے۔ رحمٰن و رحیم سے استعاذہ کا حکم ہے اگر اسماء الحسنیٰ مخلوق ہوں تو عرش پر خالق و مخلوق کا برابر استویٰ لازم آتا ہے "الرحمٰن علی العرش استویٰ" رحمٰن عرش پر مستوی ہوا اگر اسم رحمٰن غیر ذات ہے اور مخلوق ہے تو ماننا پڑے گا کہ عرش پر غیر ذات بھی اور خالق کے ساتھ مخلوق بھی مستوی ہے اور ایسا کہنا صریحاً کفر کے زمرہ میں آتا ہے لہٰذا اسماء باری تعالیٰ غیر مخلوق ہیں قدیم اور ازلی ہیں۔ اور وہ نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات اسماء حسنیٰ مجاز بھی نہیں جیسا کہ بعض فلاسفہ اور متکلمین کا قول ہے۔ یہ اسماء حقیقی ہیں ان کو مجاز پر محمول کرنا ذات حق تعالیٰ کی توہین ہے اور انکار وجود کے مترادف ہے۔ کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہوتی ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ اسلم شیر ہے تو یہ کہنا بھی جائز ہے کہ اسلم شیر نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اسماء حسنیٰ کو مجاز پر محمول کیا جائے گا تو جہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ذات حق تعالیٰ قدیر ہے، علیم ہے، رحمٰن اور رحیم ہے وہاں یہ کہنا بھی بالکل درست ہوگا کہ اس کی ذات نہ علیم و قدیر ہے اور نہ رحمٰن و رحیم۔ اور یہ بات وجود باری تعالیٰ کے انکار کے مترادف ہے جو صریحاً کفر ہے۔ لہٰذا اسماء حسنیٰ نہ مخلوق ہیں اور نہ ہی مجاز پر محمول ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ مسلمان کہلانے کے بعد چونکہ علانیہ اور براہِ راست وجود باری تعالیٰ کا انکار ناممکن تھا لہٰذا بعض دشمنانِ اسلام نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اور اکثریت نے ان سے متاثر ہو کر اسماء حسنیٰ کا صریحاً انکار نہ کیا لیکن بظاہر ایسی منطقی و فلسفی باتیں کہیں کہ اگر ان کو تسلیم کر لیا جائے تو بالواسطہ طور پر وجود ذات کا انکار ہی ہوتا ہے۔ اسماء حسنیٰ میں عقیدۂ ایمان کی تمام اساسی باتیں موجود ہیں۔ اسماء حسنیٰ میں اثبات صانع عالم ہے جو کہ دھریہ اور معطلہ کے خلاف بات ہے۔ اسماء باری تعالیٰ میں توحید ہے جو مشرکین کا رد ہے۔ ان میں تنزیہہ ہے جو کہ مشبہہ اور مجسمہ کے خلاف ہے۔ اسماء حسنیٰ میں اس کی بادشاہی اور حاکمیت اور تصرف کا عقیدہ ہے جو ان لوگوں کے خلاف ہے جو تدبیر ملائکہ یا کواکب کے قائل ہیں۔ اسی طرح اسماء حسنیٰ میں مشیئت و ارادہ ہے جو قائلین علت و معلول کے خلاف ہے اب چونکہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق تمام بنیادی عقائد اسماء حسنیٰ ہی میں ہیں لہٰذا دشمنان اسلام نے سب سے پہلے انہیں ہی ہدف بنایا اور ان میں الحاد کیا۔ لہٰذا اذان و اقامت میں سب سے پہلے اسم اللہ ہی کا ذکر کیا گیا کیونکہ یہ اسماء حسنیٰ میں شامل ہونے کے ساتھ ساتھ اسم اعظم بھی ہے اور دیگر تمام صفات کا موصوف بھی۔

اکبر : اسماء حسنیٰ میں سے بعض ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات حق تعالیٰ صفات کمال سے موصوف ہے مثلاً۔ قدیر، علیم، بصیر، حکیم اور بعض اسماء ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ذات برکات صفات سلبیہ سے منزہ ہے۔ جیسے قدوس، سبوح یہاں اکبر بھی اسی معنی میں ہے کہ اس کی ذات صفت کمال سے متصف ہے۔ اور صفت سبی سے منزہ ہے۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ جس طرح اعلیٰ ہے اسی طرح اکبر ہے وہ سب سے بڑا ہے کسی سے چھوٹا نہیں یہی وجہ ہے کہ یہ کہنا تو جائز ہے کہ اللہ اکبر مگر یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ اصغر۔

ان تصریحات سے بخوبی اندازہ ہو چکا ہوگا کہ اذان و اقامت کا پہلا کلمہ ہی کس قدر معرکۃ الاراء ہے اور کس قدر مسائل اعتقادیہ کا جامع و مانع ہے۔

فرقہ اثنا عشریہ اور کلمہ اللہ اکبر : فرقہ اثنا عشریہ بھی جھمیہ معتزلہ کی طرح اسماء حسنیٰ کے مخلوق ہونے اور صفات کی تاویل کے قائل ہیں۔ بلکہ بعض ائمہ اثنا عشریہ سے تو یہ بھی منقول ہے کہ دراصل اسماء حسنیٰ ان ہی کی ذات ہے۔ اصول کافی میں امام ابو عبداللہ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ۔

نحن واللہ الاسماء الحسنیٰ التی لا یقبل اللہ من العباد عملاً الا بمعرفتنا۔

بخدا ہم ہی اسماء حسنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا کوئی عمل بھی ہمارے ذریعہ کے سوا قبول نہیں کرتا۔

اس قول کی نسبت امام موصوف کی طرف یا تو محض افتراء ہے اور اگر واقعی آپ کا یہ ارشاد ہے تو محض تعلّی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کی طرف بھی اصول کافی میں یہ قول منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا۔

انا عین اللہ وانا یداللہ وانا جَنْبُ اللہ وانا باب اللہ

میں اللہ کی آنکھ، اللہ کا ہاتھ، اللہ کا پہلو اور اللہ کا دروازہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ فرقہ اثنا عشریہ اسماء و صفات کو اس طرح نہیں مانتا جس طرح آئمہ سلف نے مانا اور وہ اس معاملہ میں بھی حد اعتدال سے متجاوز ہے۔ اسماء و صفات کے بارہ میں ائمہ اثنا عشریہ کے اقوال یہ ہیں۔

من عبد الاسم والمعنی فقد اشرك ۔

جس نے اسم اور معنی کی عبادت کی اس نے شرک کیا۔ دوسری روایت میں فقد کفر کے الفاظ ہیں کہ اس نے کفر کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ فرقہ اثنا عشریہ کے نزدیک توحید کا تصور جھمیہ معتزلہ سے مختلف نہیں

کیونکہ ان کی طرح یہ بھی اسم اور مسمّٰی کو مغائیر اور متباین چیزیں سمجھتے ہیں ۔ لہٰذا اب صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک لفظ اکبر کا معنی یہ نہیں ہوسکتا جو ائمہ سلف نے کیا ہے بلکہ ان کے نزدیک اللہ اکبر کا معنی یہ ہے کہ اللہ اس بات سے برتر و بالا ہے کہ اس کی صفت ہو اصول کافی میں ہے کہ امام ابو عبداللہ نے کہا کہ ائی شئی اللہ اکبر، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا اللہ اکبر من کل شئی (اللہ ہر چیز سے بڑا ہے) اس پر امام ابو عبداللہ نے فرمایا فکان ثم شئی فیکون اکبر منہ - کیا وہاں کوئی چیز تھی کہ وہ اس سے بڑا ہوتا ۔

اس شخص نے پوچھا ماھو ۔ پھر اس کا مطلب کیا ہے اس پر امام موصوف نے فرمایا :۔

اللہ اکبر من ان یوصف ۔

اللہ اکبر کا مطلب کہ اللہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کی صفات (قدیم) ہوں ۔

اصول کافی کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

امام ابو عبداللہ کے نزدیک اسماء و صفات قدیم نہیں محدث و مخلوق ہیں کیونکہ جب کوئی چیز تھی ہی نہیں تو بڑا کس سے ہوا ۔ لہٰذا اکبر صفت محدث ہے ۔ اس طرح جب مخلوق نہ تھی تو خالق کیسے ہوا ۔ جب معلوم نہ تھا تو عالم کیسے ہوا ۔ جب مرزوق نہ تھا تو رازق کیسے ہوا ۔ جب مخاطب نہ تھا تو متکلم کیسے ہوا ۔ اس بناء پر فرقہ اثنا عشریہ جھمیہ معتزلہ کی طرح قرآن کو بھی مخلوق مانتے ہیں ۔ اگرچہ یہ فرقہ کلام نفسی کا قائل نہیں تاہم خلق قرآن میں ان کے ہمنوا ہے ۔ لہٰذا ان کے نزدیک اللہ اکبر کا معنی یہ ہے کہ اکبر ان یوصف کہ وہ صفات قدیمہ سے موصوف نہیں ۔

بقیہ : یک قبوٹر . . . . .

کا استفسار اور اس کے "جواب" کا مطالعہ کیا ہے ۔ اور اگر آپ اب بھی اس مسئلہ کی کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں یا "میثاق" کے صفحات اس نازک مسئلہ کے بوجھ کے متحمل نہیں ہو سکتے تو ازراہِ کرم یہ مضمون اور ضیاء الحسن صاحب فاروقی کا پتہ مجھے روانہ فرمادیجئے تاکہ میں انہیں یہ معروضات براہِ راست بھیج سکوں ۔

کیونکہ بہر حال اگر کوئی حق کا متلاشی ہے تو اس تک حق بات پہنچنی چاہیے ۔ میرا پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ بھی منسلک ہے ۔ ہر دو صورتوں سے مطلع فرمائیں نوازش ہوگی ۔

والسلام

خیر اندیش

طارق رشید پی نمبر ۹۲۵،۳ ایکسٹر ویلیٹنگ شاپ انجن اوورہال پی آئی اے ائیرپورٹ کراچی